© rasailojaraid.com

درحقیقت یوسف کو ایک نظر دیکھ کر ان عورتوں کی مدہوشی کی کیفیت سے اور بے خبری میں اپنے ہاتھ کاٹ لینے سے زلیخا نہایت مسرور ہوئی اور ان عورتوں سے فخریہ انداز میں بولی۔ یہی وہ حسین و جمیل اور اعلیٰ کردار شخص ہے جس کے لئے تم مجھے ملامت کرتی تھیں۔ اس کے بعد زلیخا نے راز دل ان پر فاش کر دیا اور حق بات کہدی۔ اس کے آگے قرآن میں ارشاد ہے کہ: "ولقد راودته عن نفسه فاستعصم"۱ یعنی میں نے اس سے اپنا مطلب حاصل کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی مگر یہ پاک و صاف رہا۔ زلیخا نے عورتوں کو اپنا ہمراز بنانے پر ہی اکتفاء نہیں کی بلکہ اپنا شریک عمل بھی بنا لیا۔ اور ان سب عورتوں کے ساتھ مل کر یوسف کو غلط کام پر اکسایا اور حکم نہ ماننے پر قید خانے کی دھمکی دی۔ زلیخا نے کہا:

"ولئن لم یفعل ما آمره لیسجنن ولیکونا من الصٰغرین۲"

ترجمہ: اور اگر آئندہ بھی ہمارا کہا نہیں کرے گا تو یقیناً جیل خانہ بھیجا جائے گا اور بے عزت بھی ہوگا۔

زلیخا کے مذکورہ بالا اقوال و حرکات سے یہ نتیجہ نہیں اخذ کیا جا سکتا کہ اس کے دل میں یوسف کے لئے کوئی جذبۂ عشق موجود تھا بلکہ اس کے ہر قول اور ہر عمل سے شہوت پرستی کا برملا اظہار ہوتا ہے۔ وہ اپنے معشوق کے لئے اپنی بدنامی برداشت نہ کر سکی اور عورتوں کے سامنے اپنے معشوق کو للکار لیا۔ جب وہ سب بھی ان کے حسن سے مسحور ہو گئیں تو وہ خوش ہو گئی۔ یہی عشق زلیخا ہے جس پر غالب

۱۔ سورۂ یوسف ۳۲

۲۔ " " "

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے طنز کیا ہے :

سب رقیبوں سے ہوں ناخوش پر زنانِ مصر سے
ہے زلیخا خوش کہ محو ماہِ کنعاں ہو گئیں

جس کو در اصل محبت ہوتی ہے وہ نہ ناموس کی پرواہ کرتا ہے اور نہ رقیب کے وجود کو خاطر میں لاتا ہے۔ لیکن زلیخا کو رقیبوں کا وجود ہی گوارا نہ تھا بلکہ ان کو شریکِ عمل بھی بنانا مقصود تھا۔

اس کے بعد سب عورتوں نے مل کر یوسف کو غلط کام کے لئے آمادہ کرنا چاہا۔ یوسف نے ان کا حکم ماننے سے انکار کر دیا، اس پر زلیخا نے انھیں قید کی دھمکی دی۔ اس پر بھی یوسف راہِ راست سے منحرف نہیں ہوئے تو انھیں قید خانے کی صعوبتیں جھیلنے کے لئے محبوس کروا دیا۔ عاشق کا رویہ اپنے معشوق کے ساتھ ایسا ظالمانہ اور خود پرستی پر محمول نہیں ہوتا۔

حضرت یوسفؑ کے محبوس ہو جانے کے بعد زلیخا بے فکر اور مطمئن ہو گئی۔ اس نے ان کی کوئی خبر گیری کی نہ ہی اعلانیہ یا پوشیدہ طور پر یوسف کی حالت معلوم کرنے کی کوشش کی اور نہ قرآن کی کسی آیت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ زلیخا ان کے لئے بے چین و بے قرار ہوئی یا اپنی غلطی پر پشیمان ہوئی یا انھیں آزاد کرانے کی کوشش کی ہو۔ ایک بادشاہ کی بیوی ہوتے ہوئے جس طرح اس نے یوسف کو قید کروایا تھا اسی طرح وہ انھیں آزاد کرا سکتی تھی مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ زلیخا کے دل میں یوسف کے لئے کوئی جذبہ موجود نہ تھا اور اگر اس کے دل میں یوسف کے لئے کچھ خیال تھا وہ محض مادیت پرستی اور شہوت پرستی تک ہی محدود تھا۔

قرآن کریم میں زلیخا کا ذکر مذکورہ بالا واقعہ کے بعد اس وقت آتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب بادشاہ وقت خواب میں دیکھتا ہے اور اسے پتہ چلتا ہے کہ یوسف بے قصور قید ہیں تو وہ انھیں آزادی کا پروانہ بھیجتا ہے لیکن یوسف قید خانے سے باہر آنے سے انکار کر دیتے ہیں تاوقتیکہ ان کے جرم اور قصور کی تحقیق نہ ہو جائے۔ چونکہ بادشاہ کو ان سے اپنے خواب کی تعبیر معلوم کرنی تھی اس لئے ان کی بات ماننی پڑی۔ چنانچہ بادشاہ نے ان سب عورتوں کو جو زلیخا کے کام میں شریک تھیں اور خود زلیخا کو بھی مقابلہ عام میں بلوایا اور پوچھا:

"ما خطبکن اذ راودتن یوسف عن نفسہ"[۱]

ترجمہ: تمہارا کیا واقعہ ہے جبکہ تم نے یوسف سے اپنے مطلب کی خواہش کی۔

ان عورتوں نے جواب دیا:

حاش للہ ما علمنا علیہ سوء

ترجمہ: ہم کو ان میں ذرا بھی برائی کی بات معلوم نہیں ہوئی۔

تب زلیخا نے اقرار کیا اور کہا:

"الئن حصحص الحق انا راودتہ عن نفسہ وانہ لمن الصادقین"[۲]

ترجمہ: اب حق بات ظاہر ہو گئی ہے، ان سے میں نے ہی اپنے مطلب کی خواہش کی تھی اور بے شک وہی سچے ہیں۔

زلیخا کے اس طرح سب کے سامنے اپنے اقرار جرم سے مفسرین قرآن نے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ اب عاشق صادق کے مرتبہ تک پہنچ گئی تھی لیکن حق تو یہ ہے کہ زلیخا کے

۱۔ سورۂ یوسف ص ۵۱۔

۲۔ " " " " ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دل میں عشق نام کو کوئی جذبہ شروع سے اب تک پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ جب یوسف نے قید خانے سے نکلنے سے انکار کر دیا اور اپنے جرم کی تحقیق چاہی تب ہی سب کے سامنے ان کی پاکدامنی اور بے قصوری خود بخود ظاہر ہو گئی تھی اس پر مستزاد یہ کہ وہ عورتیں جو زلیخا کی شریک کار اور رازدار تھیں انھوں نے سب کے سامنے برملا یہ قبول کر لیا تھا کہ یوسف بالکل بے قصور ہے۔ اس وقت زلیخا مجبور ہو گئی اور بجز سچ بات کہنے کے کوئی چارہ نہ رہا۔ اگر عورتوں کی بات کے خلاف کوئی بات کہتی تو دروغ گوئی کہلاتی۔ اس لئے اس نے اپنی غلطی پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی۔ پس اقرار جرم زلیخا نے محبت و عشق کے کسی جذبہ سے مغلوب ہو کر ہرگز نہیں کیا تھا بلکہ دروغ گوئی اور مکر و فریب کے تمام راستے مسدود پا کر مجبوراً کیا تھا۔

لہٰذا قرآن کریم نے زلیخا کا جو کردار پیش کیا اس میں زلیخا کی محبت کا کہیں ثبوت نہیں ملتا اور داستانوں میں جو عشق زلیخا ملتا ہے وہ حقیقت پر مبنی نہیں بلکہ محض شاعرانہ خیالات و تصورات کی بنیاد پر ہے۔

عشق ایسی معمولی چیز نہیں ہے کہ جس کو چاہیں عاشق کہہ دیں۔ عشق تو صوفیا کے نزدیک یہ ہے کہ "العشق نار تحرق ما سوی المعشوق" عشق ایک ایسی آگ ہے جو معشوق کے علاوہ تمام چیزوں کو خاکستر کر دیتی ہے۔ ایک مشہور حدیث میں عشق کی تعریف یہ ہے کہ:

"من عشق وکتم وعف ومات مات شہیداً"

جس نے عشق کیا اور اسے چھپایا اور عفیف رہا پھر
مر گیا تو وہ شہید مرا۔ کہاں یہ حدیث اور عشق زلیخا
چہ نسبت خاک را با عالم پاک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علمائے اودھ اور معقولات

(۲)

از جناب مسعود انور علوی کاکوروی

۱۔ علامہ فضل امام خیرآبادی

محمد فضل امام بن شیخ محمد ارشد فاروقی کا سلسلۂ نسب بتیس[۳۲] واسطوں سے حضرت عمر فاروق رضؓ تک پہنچتا ہے[۱]۔ ان کے والد ہرگام ضلع سیتاپور سے خیرآباد منتقل ہوگئے ہوگئے تھے۔ وہیں علامہ کی ولادت ہوئی۔ سنہ ولادت کی صراحت نہیں ملتی ہے۔ ابتدائی نوشت و خواند سے انتہائی تعلیم تک مفتی عبدالواجد کرمانی خیرآبادی (۱۲۱۶ھ/۱۸۰۲ء) سے حاصل کی[۲]۔ تحصیل علم سے فراغت کے بعد دہلی کا رخ کیا جہاں علم و فضل میں ایک ممتاز حیثیت ہونے کی وجہ سے بڑی قدر و منزلت اور پذیرائی ہوئی۔ دہلی میں درس و تدریس کا مشغلہ شروع کیا۔ مختلف عہدوں پر رہے۔ انگر

عہ اس سلسلہ میں راقم احقر کا مقالہ ملاحظہ ہو اسلام اور عصر جدید دہلی۔ اکتوبر ۱۹۸۶ء

۱۔ باغی ہندوستان۔ عبدالشاہد خاں شروانی (بجنور، مدینہ پریس۔ ۱۹۴۷ء) :۱

۲۔ تذکرہ علمائے ہند۔ مولوی رحمٰن علی (لکھنؤ نول کشور پریس ۱۸۹۴ء) ۱۹۱۴ء ترجمہ اردو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکومت نے ان کی قابلیت، صلاحیت اور علمی تبحر کو دیکھتے ہوئے بالآخر صدر الصدوری کے اہم منصب کی ذمہ داری سونپی، جسے انھوں نے بطیب خاطر قبول کرلیا۔ صاحب "تذکرہ" لکھتے ہیں کہ "شاہجہاں آباد میں انگریزی حکومت کی جانب سے صدر الصدوری کا عہدہ اور بڑی عزت و وقعت حاصل ہوئی۔"[1] وہ ایک عرصہ تک اس منصب پر رہے پھر پنشن پاکر سبک دوش ہوئے۔[2]

انھوں نے صدر الصدوری جیسے اہم منصب پر فائز ہوجانے کے بعد بھی درس و تدریس کا سلسلہ برابر جاری رکھا اور دونوں کام بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ باری تعالی نے افہام وتفہیم کا ایسا جوہر عطا کیا تھا کہ جو ایک بار اُن کے درس میں شامل ہوگیا وہ دوبارہ کسی طرف کا رخ نہ کرتا تھا۔ طالب علم کے ذہن میں مسائل اور ان کے جزئیات نقش کالحجر ہوجاتے تھے۔ صاحب "نزہۃ الخواطر" ان کے علمی تبحر، فضل وکمال اور فلسفہ و منطق میں ان کے مقام کی عظمت کے سلسلے میں رقم طراز ہیں کہ وہ اپنے وقت کے مشہور عالم اور علم وحکمت اور منطق میں اپنے زمانے کے امام تھے۔ منطق وحکمت میں ان کی کوئی نظیر نہ تھی، درس وتدریس اور افادہ میں مشغول ہوکر ہمہ تن منطق کی جانب متوجہ ہوگئے۔

"الشیخ الفاضل العلامۃ فضل إمام ..... احد مشاهیر
العلماء، المفرد بالامامۃ فی صناعۃ المیزان والحکمۃ فی عصرہ
ولم یساوہ فی ذلك احد من نظرائه۔"[3]

۱۔ تذکرہ علمائے ہند، مولوی رحمٰن علی (لکھنؤ نول کشور پریس ۱۸۹۴ء) ۱۶۲؛ نزہۃ الخواطر ۷: ۳۶۴۔

۲۔ نزہۃ ۷: ۳۶۴۔

۳۔ " " "

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منطق کی طرف متوجہ ہی نہ ہوتے بلکہ علوم عقلیہ میں اپنے تمام معاصرین پر سبقت لے گئے دہلی سے پنشن پاکر ٹپیالہ گئے وہاں کچھ عرصہ رہ کر واپس اپنے وطن خیرآباد آگئے۔ علامہ نے کلکتہ کا سفر بھی کیا تھا۔

خیرآباد میں ۵، ذی قعدہ ۱۲۴۳ھ/۱۸۲۹ء کو وفات پائی[1] ، حضرت مخدوم شیخ خیرآبادی (۸۸۴ھ/۸-۱۴۷۷ء) کی درگاہ کی جانب مغرب مدفون ہوئے۔

صاحب نزہتہ الخواطر اور "تذکرۂ علمائے ہند" نے سنہ وفات ۱۲۴۳ھ لکھا ہے۔ جو صحیح نہیں ہے۔ مرزا غالب کے قطعہ تاریخ سے بھی ۱۲۴۳ھ نکلتا ہے اور یہی درست ہے۔

اے دریغا قبلۂ ارباب فضل	کرد سوئے جنت الماویٰ خرام
چوں ارادت از پئے کسب شرف	جست سالِ فوت آں عالی مقام
چہرۂ ہستی خراشیدم نخست	تا بنائے تخرجہ گردد تمام
گفتم اندر سایۂ لطف نبیؐ	باد آرامش گہ فضل امام
۲۵۷	۹۹۲

۱۲۴۴ = ۵ - ۱۲۴۹

علامہ کے تین[3] بیٹے، علامہ فضل حق، فضل عظیم، فضل رحمٰن متولد ہوئے

یوں تو علامہ نے امام معقولات ہونے کی بنا پر منطق میں کئی معرکۃ الآرا تصانیف

۱۔ تذکرہ : ۱۶۲۔

۲۔ آثار الصنادید، سرسید احمد خاں (دہلی اردو بازار ۱۹۶۵ء چہارم) : ۵۶۲

۳۔ النزہتہ ۷ : ۳۸۷؛ تذکرہ : ۱۶۲۔

۴۔ کلیات غالب قطعہ ۵۱ : ۴۲ - ۴۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ ان میں سب سے پہلی کتاب جس کی وجہ سے ہر ایک خاص و عام ان کے نام سے واقف ہے، وہ "المرقاۃ" ہے۔ ایک دوسری کتاب تشحیذ الاذہان ہے مگر ان کی سب سے اہم تصنیف جو آج تک گمنامی کے گوشہ میں ہے الشیخ الرئیس ابن سینا کی تصنیف "طبیعیات الشفاء" کا خلاصہ ہے جو علامہ موصوف کے فلسفیانہ کمال کی واضح دلیل ہے۔

"الشفاء" کے چار حصے ہیں۔ ۱۔ منطقیات ۲۔ ریاضیات ۳۔ طبیعیات ۴۔ الٰہیات

منطقیات کے اندر نو اہم کتابوں کی تلخیص ہے:

۱۔ ایقلغولیس (Porphyry) صوری (Tyre) کی ایساغوجی۔ بقیہ آٹھ شیخ کی حسب ذیل آٹھ کتابیں ہیں:

۲۔ قاطیغوریاس (Categories) یا کتاب المقولات
۳۔ باری ارمینیاس (Parmeniables) یا کتاب العبارۃ
۴۔ انولوطیقا (Analyticae) یا کتاب القیاس
۵۔ انودیقطیقا (Apadicticae) یا کتاب البرہان
۶۔ طوبیقا (Topicae) یا کتاب الجدل
۷۔ سوفسطیقا (Sophisticae) یا کتاب الحکمۃ المموہہ
۸۔ ریطوریقا (Rhetaricae) یا کتاب الخطابۃ
۹۔ بوطیقا (Poeticae) یا کتاب الشعر

ریاضیات میں چار فن ہیں۔ ۱۔ ہندسہ (Geometry) ۲۔ ارساطیقی (Arithmetic) علم الحساب اور زیادہ صحیح طور پر علم خواص الاعداد (Theory of numbe ۳۔ ہیئت (Astronomy) ۴۔ موسیقی (Musi)۔

© rasailojaraid.com

پہلا فن یعنی ہندسہ، اقلیدس کی "اصول الہندسہ والحساب" کی تلخیص پر مشتمل ہے۔ اسی کی طرح اس میں بھی پندرہ مقالے ہیں۔ دوسرا فن ارسماطیقی ہے۔ اس میں چار مقالے ہیں۔ یہ نیقوماخس الجراسنی کی "المدخل الی علم الحساب" کی تلخیص ہے۔ تیسرا فن ہیئت ہے۔ یہ بطلیموس کی کتاب "المجسطی" کی تلخیص ہے چوتھا موسیقی ہے۔

طبیعیات میں مندرجہ ذیل آٹھ فنون ہیں:

۱۔ الفن الاول فی السماء الطبیعی۔ ۴ مقالے

۲۔ الفن الثانی فی السماء والعالم

۳۔ الفن الثالث فی الکون والفساد

۴۔ الفن الرابع فی الافعال والانفعال

۵۔ الفن الخامس فی الآثار العلویہ

۶۔ الفن السادس وہو کتاب النفس

۷۔ الفن السابع فی تولید النبات

۸۔ الفن الثامن فی طبائع الحیوان

یہ آٹھوں فنون ارسطو کی مندرجہ ذیل سات کتابوں پر مبنی ہیں:

۱۔ السماء الطبیعی (Physics)

۲۔ کتاب السماء والعالم (De-Coeloet-Munde)

۳۔ کتاب الکون والفساد (Aramores-at-Carruptiones)

۴۔ کتاب الآثار العلویہ (Meteorologia)

۵۔ کتاب الحیوان (Parts of the animals)

۶۔ کتاب النفس (Psychology)

۷۔ کتاب الحس والمحسوس

© rasailojaraid.com

جو تمام اصطلاحات کا ہے جس سے یہاں بحث نہیں ہے۔

حاجی خلیفہ کی تصریح کے مطابق "الشفا" کی پہلی تشریح ابو عبد اللہ محمد بن احمد الادیب صاحب "تحفۃ المدرس" نے اور پہلی تلخیص شمس الدین عبد الحمید بن عیسیٰ التبریزی (م ۶۵۲ھ/۱۲۵۴ء) نے کی۔ اس کی دوسری تلخیص ہندوستان میں اپنے عہد کے سرگروہ معقولات فضل امام خیر آبادی نے کی[1]

"الشفا" انتہائی پر آشوب اور پرفتن ماحول میں لکھی گئی جب کہ خود شیخ کی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ دشمن اسے گلی کوچے میں تلاش کرتے پھر رہے تھے اور وہ خود ایک عقیدت مند کے گھر میں انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں چھپا بیٹھا تھا۔ کتاب تو درکنار لکھنے پڑھنے کے لئے کاغذ، قلم اور روشنائی تک نہ تھی۔ اس بے سروسامانی کے عالم میں اس کے عزیز از جان شاگرد اور رفیق سفر و حضر ابو عبید جوزجانی نے اس سے ارسطو کی فلسفیانہ کتابوں کی شرح کرنے کی درخواست کی۔ شیخ نے کہا میری بے سروسامانی کا عالم دیکھ رہے ہو اس وقت اس قابل نہیں ہوں کہ ارسطو کی کتابوں کی تشریح کر سکوں اور ان پر جو قیل و قال ہوئی ہے، اس کے جوابات دیئے گئے ہیں ان سب کی وضاحت اور تشریح کر سکوں۔ ہاں، البتہ ایک کام کر سکتا ہوں کہ فلسفی مسائل میں ایسے مسائل بیان کر دوں جو میرے نزدیک صحیح اور درست ہیں[2]

علامہ فضل امام نے دہلی کے زمانہ قیام میں "الشفا" کی تلخیص کی جیسا کہ اس کے ترقیمہ سے پتہ چلتا ہے۔ اس کا واحد معلوم نسخہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ، سبحان اللہ کلکشن (۳۱/۱۱۰) میں محفوظ ہے۔ یہ نادر نسخہ علامہ کے دست مبارک کا لکھا ہوا ہے

1- کشف الظنون مصطفیٰ بن عبد اللہ الشہیر بحاجی خلیفہ (المطبعۃ البہیۃ ۱۳۶۰/۱۹۴۱ء) ۲: ۱۰۵

2- سرگزشت ابن سینا (۱۳۳۱ خورشیدی، ایران): ۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دو سو ۲ نفیس اوراق ہیں۔ خط شکست ہے اور کئی مقامات پر باوجود کوشش کے پڑھا نہیں جاتا ہے۔ مزید برآں اس کے ابتدائی صفحات غائب ہیں۔ صفحات کی صراحت نہیں ہے۔ نسخہ ہذا کی ابتدائی عبارت "فی ابطاله ولا شك من أثبت الجزء الذي لا يتجزى" ہے۔

اس میں اٹھارہ مقالے ہیں۔ کتاب کی تقسیم اس طرح ہے:

۱۔ فصل من اثبات الهيولى

۲۔ فصل ابطال الرائی الحق

۳۔ فصل من كيفية التلازم بين الهيولى والصورة

۴۔ فصل فی الصورة الجسمية

۵۔ فصل فی ذكر اختلاف القائلين

۶۔ فصل ويبطل مذهب من قال أن المكان او هيولى او صورة

۷۔ المقالة الثانية فی الحركة۔ اس میں سولہ فصلیں ہیں۔

۸۔ الباب فی بيان احوال الزمان واختلاف الناس وفيه فصول۔ اس میں پانچ فصلیں ہیں۔

۹۔ الفن الثانی من الطبيعيات۔ نو فصول پر مشتمل ہے۔

۱۰۔ الفن الثالث فی الكون والفساد۔ پندرہ فصلیں ہیں۔

۱۱۔ الفن الرابع من الجملة الثانية۔ اس میں تین مقالے اور متعدد فصلیں ہیں۔

۱۲۔ الفن الخامس من الطبيعيات۔ ایک مقالہ اور چھ فصلیں ہیں۔

۱۳۔ الفن السادس من الطبيعيات فی النفس۔ اس میں پانچ مقالات ہیں۔ پہلا پانچ فصول پر، دوسرا پانچ، تیسرا آٹھ، چوتھا چار اور پانچواں آٹھ پر مشتمل ہے۔

۱۴۔ الفن السابع من الطبيعيات فی النبات، وهو مقالة واحدة يشتمل على سبعة فصو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۵۔ المقالۃ الثالثۃ من الفن الثانی من جملۃ الطبیعیات

۱۶۔ المقالۃ الرابعۃ من الفن الثانی من جملۃ الطبیعیات

۱۷۔ المقالۃ الخامسۃ من الفن الثامن من جملۃ الطبیعیات وہی فصلان

۱۸۔ المقالۃ السادسۃ من الفن الثامن من جملۃ الطبیعیات

اسی طرح انیس تک تمام مقالات متعدد فصول میں بٹے ہوئے ہیں۔ کہیں کہیں ایسا لگتا ہے کہ صفحات بھی مقدم و موخر ہو گئے ہیں۔ بہرحال یہ مخطوطہ اپنے موضوع پر ایک اہمیت کا حامل ہے۔ آخری صفحے پر یہ عبارت ہے:

"فہذا آخر ہذہ المقالۃ و ہو آخر الطبیعیات والحمد لواہب العقل و مفیض العدل و صلی اللہ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و صحبہ وسلم تسلیما کثیرا۔ قد وفق العبد الضعیف الراجی الی رحمۃ ربہ القوی محمد فضل امام بن محمد ارشد الخیرآبادی بتلخیص طبیعیات الشفاء للشیخ الرئیس فی اواسط شہر ربیع الاول من سنۃ السابع والعشرین بعد المائتین بعد الالف من ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین کان مقیما بدار الخلافۃ شاہجہان آباد حرسہا اللہ عن الفتن والفساد متولیا بخدمۃ الافتاء۔ والحمد للہ علی ذلک حمدا متکاثرا۔

۲۔ علامہ فضل حق خیرآبادی:

علامہ فضل حق، علامہ فضل امام کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ ۱۲۱۲ھ/۱۷۹۷ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں اپنے وطن خیرآباد میں پیدا ہوئے۔ آنکھ کھولی تو گھر میں علم وفضل کا چرچا پایا۔ اپنے گردوپیش پہ نظر ڈالی تو امارت وریاست کے سازوبرگ سے معمور دیکھا۔ قوت حافظہ بہت قوی تھا۔ بچپن میں اپنے والد کے پاس دہلی چلے گئے جملہ منقولات کی تعلیم شاہ عبدالقادر محدث دہلوی (۱۲۳۰ھ/۱۸۱۵ء) وشاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) سے اور معقولات کی تحصیل والد گرامی سے پوری کی۔ چار ماہ میں قرآن مجید حفظ کیا اور تیرہ[۱] سال کی عمر میں فراغت حاصل کی۔

فراغت درس کے بعد ہی تدریسی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ چنانچہ اکثر وبیشتر والد کے حکم سے اپنے سے کہیں بڑی عمر کے لوگوں کو درس دیا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں تذکرہ غوثیہ کے مولف نے ایک دلچسپ واقعہ درج کیا ہے:[۲]

"ایک مرتبہ امرؤالقیس کے طرز پر ایک عربی قصیدہ کہہ کر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے پاس لائے۔ شاہ صاحب نے ایک مقام پر اعتراض کیا اس کے جواب میں بیس شعر متقدمین کے پڑھ دیئے۔ مولوی فضل امام صاحب نے فرمایا "بس حد ادب" انھوں نے جواب دیا کہ "حضرت یہ کوئی علم تفسیر وحدیث تو ہے نہیں، فن شاعری ہے اس میں بے ادبی کی کیا بات ہے" شاہ صاحب نے فرمایا "برخودار تو سچ کہتا ہے مجھ کو سہو ہوا تھا۔"[۳]

علامہ جب تک دہلی میں رہے درس وتدریس میں مشغول رہے۔ لکھنؤ آکر بھی یہی شغلہ

۱۔ باغی ہندوستان: ۱۱۱ ، الثورۃ الہندیہ: ۲،۳،۴،۵ – ۲۷۔ تذکرہ: ۱۶۴۔

۲۔ تذکرۂ غوثیہ۔ شاہ گل حسن قادری لاہور علمی پرنٹنگ پریس ۱۹۲۰ء: ۱۳۶ – ۱۳۷۔

۳۔ تذکرۂ غوثیہ: ۱۳۷۔

© rasailojaraid.com

جاری رکھا۔ تذکرہ علمائے ہند کے مولف نے لکھا ہے کہ میں سنہ ۱۲۴۶ھ میں حضرت علامہ کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ حقہ پی رہے ہیں اور شطرنج کھیل رہے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ایک شاگرد کو افق المبین کا درس بھی اس طرح دے رہے ہیں کہ حسن بیان کی وجہ سے کتاب مذکور کے مطالب شاگرد کے ذہن نشین ہوتے جا رہے ہیں"۔[1]

سنہ ۱۲۴۴ھ میں والد کے انتقال کے بعد دہلی میں ریزیڈنٹ کے محکمہ کے سررشتہ دار ہو گئے بعد کو لکھنؤ میں صدر الصدور مقرر ہوئے۔ سنہ ۱۸۵۷ء کے غدر کے ہنگامہ میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دینے کی سزا میں کالے پانی کی قید تجویز ہوئی۔ وہاں بڑے سخت مصائب اور روح فرسا اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا اور ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء کو وہیں وفات پائی اور مدفون ہوئے۔[2]

۱۔ تذکرہ : ۱۶۴ — ۱۶۵

۲۔ علامہ پر مستقل اور غیر مستقل طور سے لکھا گیا ہے۔ چنانچہ مزید حالات کے واسطے ملاحظہ ہو :

(ا) ابجد العلوم۔ نواب صدیق حسن خاں (مطبعہ صدیقیہ بھوپال) : ۹۱۵

(ب) الہدیۃ السعیدیۃ۔ علامہ فضل حق خیرآبادی

(ج) امتیاز حق۔ راجہ غلام محمد خاں (اعظم گڑھ، مبارک پور ۱۹۷۶ء)

(د) الیانع الجنی فی اسانید شیخ عبد الغنی۔ شیخ محمد محسن ترہتی (بھوپال مطبع صدیقی ۱۲۸۷ھ) : ۷۵۔

(ہ) الاعلام۔ خیر الدین الزرکلی الطبعۃ الثانیۃ ۷ : ۲۲۲ - ۲۲۳

(و) تاریخ اودھ۔ نجم الغنی خاں رامپوری (لکھنؤ، نول کشور پریس ۱۹۱۹ء) ۵ : ۲۳۲

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علامہ نے متعدد بیش بہا علمی و ادبی تخلیقات اپنی یادگار چھوڑی تھیں :
۱۔ الجنس الغالی ۲۔ حاشیہ تلخیص الشفاء ۳۔ حاشیہ شرح السلم القاضی مبارک
۴۔ الہدیۃ السعیدیۃ ۵۔ الرسالۃ فی العلم والعلوم ۶۔ الروض المجود فی حقیقۃ الوجود
۷۔ الرسالۃ فی تحقیق الاجسام ۸۔ الثورۃ الہندیہ ۹۔ تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ ۱۰۔ الحاشیۃ علی الافق المبین وغیرہ

ان کی تمام دستیاب شدہ تصانیف بہ علمی شاہکار ان کی دقتِ نظر، قوتِ فکر اور استدلال کی شاہد ہیں۔ "الحاشیۃ علی الافق المبین" ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ آئندہ سطور میں "الافق المبین" اور اس کے "حاشیہ" پر کسی قدر روشنی ڈالی جائے گی تاکہ ان کی اہمیت اور قدر و قیمت متعین ہو سکے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

(ز) تاریخ حکمائے اسلام۔ سید سلیمان ندوی (اعظم گڈھ۔ مطبع معارف ۱۹۵۶ء)
۲: ۲۳۱۔۲۳۴

(ح) تراجم الفضلاء۔ مفتی انتظام اللہ شہابی (پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی ۱۹۵۶ء)

(ط) جنگ آزادی۔ محمد ایوب قادری (کراچی پاک اکیڈمی ۱۹۷۶ء) : ۴۷،۴۵۔۴۴

(ی) علمائے ہند کا شاندار ماضی۔ سید محمد میاں (دہلی الجمعیۃ بک ڈپو ۱۹۶۰ء)
۴: ۹۴۔۴۴ دیگر صفحات

(ک) معجم المولفین۔ عمر رضا کحالہ (دمشق، مطبعۃ الترقی ۱۳۸۰/۱۹۶۰ء) ۱۱ : ۱۳۰۔۱۳۱

(ل) مولانا فضل حق وعبد الحق خیر آبادی۔ مفتی انتظام اللہ شہابی (بدایوں، نظامی پریس)

(م) ہدیۃ العارفین۔ اسماء المولفین و آثار المصنفین۔ اسمٰعیل باشا (استانبول،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"الافق المبین" میر باقر داماد (م ۱۰۴۰ھ / ۱۶۳۱ء) کی شاہکار تصنیف ہے۔ اس
میں صدیوں کے عمل کی فلسفیانہ عبقریت نقطۂ کمال کو پہنچ گئی تھی۔ حمد و صلوٰۃ کے
بعد اس کتاب کی وجہ تصنیف کے بارے میں لکھتے ہیں:

"فيقول أحوج المربوبين إلى ربه الغني محمد بن محمد
الملقب بباقر الداماد الحسيني ختم الله له بالحسنى أخلاء
الخلة الناسوتية وأقرباء القرابة الروحانية إن هذا
مشرع سبيلي ومرصدي بأن جاء بهجة السر بأنوار
إبصار العقلية .... لم أشدّ فيه عن أمر الحق بمستعذب
الشهرة ولم أشغله عن صرف فطرة الحكمة لتخليط سوء
الفكرة وإذ قد اصطفاني ربي علي .... والأتراب من
شركاء الصناعة ورؤسائها في الملة الإسلامية و
الدورة اليونانية لشرح الصدر للإيمان، واجتباني
منهم لاصطياد الحق بالبرهان وبلغ نصابي إلى حيث
ملكت العقد وسبكت الأفكار ونحلت العلوم ونقدت
الأنظار وبفضل منته ورحمته أبحت أسقام الأفهام
وشرحت صدور غوامض الأحكام وأبرحت الحكمة
وأبلجتها وأبلحت الفلسفة وأنضجتها ......
وصنعت هذا العلق المتين والرق الرقيق شريعة للشارعين
وذريعة للبارعين، عسى الله أن يجعله الأفق المبين
والسبيل المتين[۱]"

۱۔ الافق المبین، ذخیرۂ سبحان اللہ علی گڑھ (عربیہ علوم ۸۲) : ص ۔ ۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"الافق المبین" میں جو مباحث درج ہیں ان میں سب اہم مسئلہ حدوث دہری کا ہے۔ یہ مسئلہ زمان کے حل کے سلسلے میں اسلامی عبقریت کا ایک گراں بہا کارنامہ ہے۔ عہد حاضر کی طرح مسئلہ زمان، مسلمانوں کی فکر میں قدیم زمانے سے ایک خصوصی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ کیونکہ ایک جانب متکلمین تھے جو سرے سے زمانہ کے وجود خارجی کے ہی منکر تھے اور دوسری جانب ابوبکر بن زکریا رازی، محمد بن حسین نیشاپوری اور فرقہ حرنانیہ کے پیرو تھے جو زمانہ کو واجب الوجود سمجھتے تھے۔ ان انتہا پسندانہ موقفوں کے درمیان ارسطو اور اس کی تقلید میں شیخ کا مسلک تھا۔ یہ لوگ زمانہ کو قدیم مانتے تھے۔

امام رازی نے "المحصل" میں ارسطو اور شیخ کے مسلک پر حملہ کیا تھا۔ اس کا جواب ابن سینائی فلسفہ کے مجدد اعظم خواجہ نصیر الدین طوسی نے "نقد المحصل" میں سرسری طور پر دیا تھا۔ لیکن میر باقر داماد نے "الافق المبین" میں حدوث دہری کا نظریہ وضع کرنے کے بعد زیادہ تحقیقی جواب کی کوشش کی تھی۔ ملا محمود جونپوری نے "الشمس البازغہ" میں میر باقر داماد کے اس مسلک سے اختلاف کیا۔ اگرچہ وہ میر باقر کی شخصیت کی عظمت کے معترف تھے بلکہ حدوث دہری کے نظریہ کے ذریعہ اسلام کے بنیادی عقائد کی جو عقلی توجیہ انھوں نے کی تھی، ملا محمود اس کی تعریف میں بھی رطب اللسان تھے۔ چنانچہ "الشمس البازغہ" میں پہلے تو ان کی دقت نظر اور قوت فکر کی تعریف کی ہے پھر ان کی اس دین پسندی کی تعریف کی ہے جو انھیں اسلام کے بنیادی عقیدے حدوث عالم کے ساتھ تھی اور اس کے بعد انھوں نے بتایا ہے کہ اس کے لئے انھوں نے (میر باقر داماد) حدوث دہری وضع کیا ہے۔

واعلم ان بعض حیرة الاحقین بالمهرة السابقیه
مع توغله فی سیاحة [illegible] من الحقیقة و[illegible]
[illegible] الحکمة ودلوجه فی اعماق [illegible] بانه [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

النازلة وخرقها من أطباق سماء الملكوت بقوادم
الكلام السابق...... ابتدع القول بالحدوث الذاتي
والقبلية الدهرية وحشا بذلك الطوامير الدقيقة
ومدّد الصحف الأنيقة ـ[۱]

...کے ساتھ ساتھ ملا محمود جونپوری ... ارسطو اور ابن سینا کا جانشین اور ان کا ہم خیال سمجھتے تھے۔ چونکہ حدوث دہری کا مسئلہ ارسطاطالیسی ابن سینائی فلسفہ پر ضرب لگاتا تھا اس لیے انھوں نے "الشمس البازغة" میں اس نظریے کی مخالفت کی۔ میر باقر داماد کے استدلال کی تلخیص دینے کے بعد جس کا اختتام انھوں نے "هذا محصل كلماته التي نقلتها مع الإطناب وما قطعتها مع الإسهاب"[۲] پر کیا ہے۔ اور

"أقول المطلق القبلية والبعدية المانعتين عن الاجتماع
لا نتعقلهما إلا حيث يكون امتداد محقق أو موهوم
أو ما لا يكون فيه امتداد أصلا لا يتصور فيه عدم
ثم وجود وبالجملة حال ثم حال كيف وقولنا لم
يكن فكان أو كان الصادق"[۳]

...لکھ کر استدلال کیا ہے۔

۱۔ الشمس البازغة : ۱۶۹
۲۔ " : ۱۸۲
۳۔ " : ۱۸۳

ملا محمود جونپوری نے کچھ ... میں "الشمس البازغة" کی تبویب وتفصیل کا جو منصوبہ بنایا ... بالکل وہی تھا جو ارسطو اور ابن سینا نے اپنی طبیعیات کی شرح وتوضیح میں اختیار کیا تھا۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہندوستان میں میر باقر داماد کے بھی عقیدت مند تھے۔ کچھ لوگ ان کے براہ راست تعلیم پاکر آئے تھے اور کچھ لوگ ان کے انداز فکر سے متاثر تھے۔ اس لئے ان عقیدت مندوں نے ملا محمود جونپوری کے اعتراضات کا جواب دینا شروع کیا۔ ٹھیک اسی طرح ملا محمود کے بھی عقیدت مند تھے۔ انھوں نے ان جوابات کے جواب الجواب مرتب کرنا شروع کر دیئے۔ اس طرح اس بحث نے انتہائی دلچسپ نزاع کی شکل اختیار کر لی یہاں تک کہ بارہویں صدی کے اوائل میں حافظ امان اللہ بنارسی (۱۱۳۳ھ/ ۱۷۲۰ء) نے سید محمد میر داماد اور ملا محمود جونپوری کے درمیان محاکمہ کیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ارسطو کی طبیعیاتی تصانیف سات یا آٹھ ہیں۔ ان ہی کے مطابق ابن سینا نے حصۂ طبیعیات کو تقسیم کی ہے۔ یہی ہشت گانہ تقسیم کا انداز ملا محمود جونپوری کیلئے "الشمس البازغہ" میں اختیار کرنا چاہا تھا۔ چنانچہ انھوں نے اپنی مجوزہ تفصیل اس طرح پر دی ہے:

۱۔ کتاب السماو الطبیعی
۲۔ کتاب الکون و الفساد
۳۔ کتاب الآثار العلویہ
۴۔ کتاب الحیوان
۵۔ کتاب السماو والعالم
۶۔ کتاب الفعل والانفعال
۷۔ کتاب النباتات
۸۔ کتاب النفس

© rasailojaraid.com

بھی میں مولانا فضل حق خیرآبادی نے اس سلسلہ میں غیر معمولی بصیرت اور ژرف نگاہی کا ثبوت دیا۔ حدوث دہری کے ابطال میں مولانا نے جو قوی دلائل دیئے ہیں وہ بڑے جامع اور مستحکم ہیں۔ ان کا اندازہ "الافق المبین" کے حاشیہ سے ہوتا ہے۔

یہ حاشیہ سبحان اللہ گلشن ۱۱/۸ علی گڑھ میں محفوظ ہے۔ خط مؤلف ہے۔ ایک سو بیاسی صفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحہ میں انیس ۱۹ سطریں ہیں، خط خفی ہے، آخری صفحات غائب ہیں۔ اس میں کوئی تبویب اور فصول وغیرہ کی تفصیل نہیں ہے۔ کہیں کہیں عبارت پڑھنا بھی دشوار ہے۔

ابتدا اس طرح ہے :

"إياك نحمد يا ذا القوة المتين على فضلك المبين
وإياك نعبد وإياك نستعين ونصلي على
رسولك الامين، حبيبك المكين سيد العلمين
طٰه ويٰسين الذى كان نبيا وآدم بين الماء
والطين .... وبعد فهذا تعليق حق اليقين
وتوهين مهين للخرص والتخمين يطلع به عين الحق
ويستبين من الافق المبين بقواطع الحجج وسواطع
البراهين والله الموفق والمعين الخ

یہ حاشیہ "قال اقول" کے انداز میں ہے۔ اس میں حدوث دہری کے ابطال میں قوی دلائل پیش کئے ہیں :

قيل ينفصل عن ذالك الخ۔ فقد اعترف انفا بان
مصداق حمل الوجود على الماهية ومطابق الحكم به

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

هو النفس المهية لا امر انضم لیقوم بها و أنّه لیس

لیس فی ظرف الوجود إلاّ نفس المهیة ۔ ثمّ العقل

بضرب من التحلیل ۔۔۔ منها معنی الموجودیة والصیغة

المصدریة ویصفها به ویحمله علینا فقولنا المهیـــة

الموجودة لیس حکایة الاعن نفس المهیة بلا زیادة

أمر علیها کما أنّ قولنا الانسان إنسان مثلا لیس حکایة

إلاعن نفس مهیة الانسان بلا زیادة أمر علیها۔ الخ

۲۔ عبد الحلیم فرنگی محلی :

مولانا عبد الحلیم بن امین اللہ بن محمد اکبر بن مفتی احمد ابو الرحم بن مفتی محمد یعقوب بن ملا عبد العزیز بن ملا محمد سعید بن ملا قطب الدین شہید سہالوی بتاریخ ۱۱ شعبان ۱۲۰۹ھ / ۵-۳-۱۷۹۴ء لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ دس سال کی عمر میں کلام پاک حفظ کیا اور اپنے والد ماجد مفتی ظہور اللہ، محمد اصغر، مولوی نعمت اللہ اور مفتی محمد یوسف فرنگی محلی کی خدمت میں تحصیل علم کے بعد سولہ سال کی عمر میں درس نظامی سے فراغت حاصل کی۔ فارغ ہونے کے بعد اپنے آبائی پیشہ درس و تدریس کو اختیار کیا۔ ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء میں نواب ذو الفقار الدولہ رئیس باندہ کی طلب پر وہاں گئے۔ نواب صاحب بڑے اعزاز و اکرام سے پیش آئے اور اپنے مدرسہ کا مدرس مقرر کر دیا۔ ایک عرصہ تک وہاں مقیم رہے پھر لکھنؤ آئے اور ایک سال بعد جون پور کے ایک رئیس حاجی امام بخش کے پاس چلے گئے۔ حاجی صاحب موصوف نے اپنے تعمیر کردہ مدرسہ امامیہ حنفیہ کا مدرس مقرر کر دیا اور بڑا اعزاز و اکرام کیا۔ مولانا نے نو سال کے طویل عرصے میں مسندِ درس پر بیٹھ کر بکثرت تشنگانِ علم کو فیض یاب کیا۔ ۱۲۷۶ھ / ۱۸۵۹ء میں وطن آ کر مولانا شاہ عبد الوالی قادری سے بیعت کی۔

© rasailojaraid.com